بحث و نظر

اسلام - دینِ فطرت

مولانا محمد جرجیس کریمی

اسلام کے مختلف خصائص و امتیازات میں سے ایک نمایاں خصوصیت اس کا فطرت کے مطابق ہونا ہے۔ یعنی یہ مذہب انسان کی خلقت (Nature) کے مطابق ہے۔ انسانی فطرت کو نظر انداز کر کے اس میں کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ نہ اس کے فطری مطالبات کو کچلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً فِطْرَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (الروم:۳۰)

اے نبیؐ یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جمادو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی خلقت بدلی نہیں جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

عربی زبان میں حنیف سیدھے اور مخلص (المستقیم المخلص) کو کہا جاتا ہے اور اسلام سے بڑھ کر کوئی دین سیدھا نہیں ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا کَانَ إِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیّاً وَلَا نَصْرَانِیّاً وَلٰکِن کَانَ حَنِیْفاً مُّسْلِماً۔ (آل عمران:۶۷)

ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ سیدھے مسلمان تھے۔

فَطَرَ یَفْطُرُ کے معنی پیدا کرنے، شروع کرنے اور پھاڑنے کے ہیں، اسی سے فطرت ہے جس میں خلقت، طبیعی حالت، پیدائشی خصوصیات، دین، سنت، عادات اور طریقہ کے مفاہیم شامل ہیں۔[2]

آیت محولہ بالا کے ذیل میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ''اس میں تمام انسانوں

کی تخلیق کا ذکر ہوا ہے اور اس میں فطرت کا تذکرہ مدح کے سیاق میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کے اتباع کا حکم دیا ہے، جو فطرت کے مطابق ہے“ ۲الف

آیتِ مذکور کے ضمن میں حضرات تابعین: عکرمہ، مجاہد، حسن، ابراہیم، ضحاک، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ فطرت سے مراد اسلام ہے۔ انھوں نے ’خلق‘ کو ’دین‘ کے معنیٰ میں لیا ہے۔۳

اس مفہوم کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی سے ہوتی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مامن مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهوّدانه او ینصّرانه او یمجّسانه کما تنتج البهیمة بهیمة جمعاء هل تحسّون فیها جدعاء۔

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ جس طرح جانور اپنے بچے کو (صحیح سالم) جانور جنتا ہے۔ کیا تم کو اس میں کوئی ناک یا کان کٹا نظر آتا ہے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ نے اسی آیت (الروم:۳۰) کی تلاوت فرمائی۔۴

علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں اسلام کی خوبی بیان کی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دین عقل اور انسانی طبیعت کے مطابق ہے۔۵

اس حدیث میں فطرت کو یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فطرت بمعنی اسلام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء سکھائی ہے۔ اس میں بھی فطرت کی اضافت اسلام کی طرف کی گئی ہے:

اصبحنا علی فطرة الاسلام وعلی کلمة الاخلاص وعلی دین نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ملة ابراهیم حنیفا مسلما وما کان من المشرکین۔۶

ہم نے صبح کی فطرتِ اسلام پر، کلمۂ اخلاص پر، اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت پر، جو یکسو اور مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بچہ پیدائش کے وقت اسلام پر ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے کافر والدین کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کفار سے جنگ میں ان کے بچوں کو قیدی نہیں بنایا جاسکتا، نہ انھیں مسلمان قبرستان میں تدفین سے روکا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث اور حدیث 'کل مولو یولد علی الفطرۃ الخ' کا مقصد ان احکام کو بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ انسان کی تخلیق فطرت پر ہوتی ہے۔ دنیوی احکام میں کفار کے بچوں کا اعتبار ان کے والدین کے مذہب کے مطابق ہوگا۔[۷] اسی طرح بچے کے فطرت پر پیدا ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ توحید کا اقرار کرنے والا ہوتا ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بچے کے اندر وہ قوت ودیعت ہوتی ہے کہ اگر اس کے لیے موانع نہ ہوں تو وہ بڑا ہوکر رب کی معرفت حاصل کرے، جس طرح اس کے لیے ماں کا دودھ پینا فطری امر ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو لازماً وہ ماں کا دودھ پیے گا۔[۸]

اسلامی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں

فطرت سے اسلام مراد لینے کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، یا فطرت کے جو تقاضے ہیں وہ اسلامی تعلیمات میں محصور ہیں۔ ان سے دوری اختیار کرکے فطرت کی رعایت ہوسکتی ہے نہ اسلامی تعلیمات کے فیوض سے کما حقہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

آیئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیں کہ یہ دین کس طرح فطرت کی ترجمانی کرتا ہے اور اس میں اس کی کتنی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلو ہیں۔ ان میں عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کا مفصل بیان طوالت کا باعث ہوگا۔ ذیل میں کچھ مثالوں کے ذریعے اختصار کے ساتھ ان کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

عقیدۂ توحید اور فطرت

اللہ کے بارے میں انسانوں کا رویہ اور مذاہب کی تعلیمات مختلف ہیں۔ بعض مذاہب میں شرک کا عقیدہ درآیا ہے، جیسے یہودیت، نصرانیت اور ہندومت وغیرہ۔ لیکن اگر انسانی فطرت اور اس کی نفسیات کی روشنی میں غور کیا جائے تو عقیدۂ توحید ہی کو درست ماننا پڑے گا، کیوں کہ فطرت اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت مولانا سید جلال الدین عمری نے بڑے اچھے انداز میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''خدا کائنات کا حاکم ہے اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لیے ایک ہی حاکم کو پسند کرتا ہے۔ اس کے نزدیک غلامی کی بدترین قسم یہ ہے کہ وہ کئی خداؤں کی خدائی میں گھرا رہے اور اس کی غلامی میں کسی ایک کا نہیں بلکہ بہت سے آقاؤں کا حصہ ہو۔ جو شخص اپنے لیے کئی خداؤں کو منتخب کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے جنگ کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی راہ چل رہا ہے جس میں اس کا ضمیر اور اس کی نفسیات اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔... زلزلہ اور بھونچال آتا ہے تو زمین ان خزانوں کو اگل دیتی ہے جن کو وہ اپنے سینہ میں چھپائے رکھتی ہے، اسی طرح انسان کی حقیقی نفسیات اس وقت ابھر کر سامنے آجاتی ہیں جب وہ کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے اور تمام امیدیں ٹوٹنے لگتی ہیں، ایک شخص راستہ چل رہا ہو اور پیچھے سے اچانک اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا جائے تو اس حالت میں اس کی زبان سے جن الفاظ میں چیخ نکلے گی وہ اس کے جذبات کی صحیح ترجمان ہوگی ...اس پہلو سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ شرک سے بے زاری انسان کی نفسیات میں شامل ہے، کیوں کہ مصیبتیں اور پریشانیاں اس سے توحید کا اعتراف کراتی ہیں۔ وہ اپنی مشکلات میں دس سہارے نہیں ڈھونڈتا، بلکہ صرف ایک ایسا مضبوط سہارا چاہتا ہے جو اس کو ہر

مشکل سے نجات دے سکے ...انسان کی کشتی جب بھنور میں پھنس جاتی ہے اور وہ ہر طرح سے مایوس ہوکر خدائے واحد کی طرف مدد کا ہاتھ پھیلاتا ہے، تو اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ سکون اور اطمینان کی حالت میں اس کا بہت سے خداؤں کو ماننا جھوٹ اور فریب ہے۔ شرک اس کی فطرت نہیں ہے، بلکہ ایک غیر فطری بات ہے جو اس کے ساتھ چپک گئی ہے''۔۹

انسان کی اس نفسیات کو قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ۔ (العنکبوت: ۶۵)۱۰

جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرکے اس سے دعا مانگتے ہیں۔ پھر جب وہ انھیں بچاکر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

شرک کے غیر فطری ہونے کو نبی اکرم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح کوئی غیرت مند مرد کسی دوسرے مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا، یہ چیز اس کے غیظ وغضب کو بھڑکانے والی ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بات کو کیسے گوارا کرے گا کہ اس کا بندہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی پرستش کرے۔۱۱

عقیدۂ آخرت اور فطرت

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ آخرت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی اس عارضی زندگی کے بعد ایک ابدی زندگی ہے جس میں تمام انسانوں کو ان کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ دنیا امتحان گاہ اور آخرت دار الجزاء ہے۔ یہ عقیدہ مختلف پہلوؤں سے فطرت کی ترجمانی کرتا ہے۔

۱- انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم ترین زمانے سے عالم گیر پیمانے پر یہ طلب

انسان کے اندر موجود رہی ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے علاوہ ایک دوسری زندگی ہو، جہاں موجودہ دنیا کی محدودیتوں اور مشکلات سے چھٹکارا مل سکے اور خوشی اور فراغت کی زندگی حاصل ہو سکے۔ دوسری زندگی کا یہ تصور دراصل آخرت کا ایک نفسیاتی ثبوت ہے۔ جس طرح پیاس کا لگنا پانی کی موجودگی اور انسان کے درمیان ربط کا ایک ثبوت ہے۔ اسی طرح ایک بہتر دنیا کی طلب بھی اس کے واقع ہونے کی دلیل ہے۔

۲- دنیا میں اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کو ناحق قتل کرتا پھرتا ہے، مگر دینا میں اس کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ اس کے برعکس ایک آدمی نیکی کی راہ پر چلتا ہے، مگر وہ زندگی بھر مشکلات کا شکار رہتا ہے اور اسے کبھی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ اگر اس دنیا کا خاتمہ ہو جائے اور آخرت واقع نہ ہو تو نیکی اور بدی کا تصور نامکمل رہ جائے گا۔ انسان کی فطرت اور اس کے اندر عدل و انصاف کا احساس تقاضا کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ ایک دن ایسا ضرور آئے جب حق اور ناحق الگ ہوں، ظالم کو اس کے ظلم اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کا بدلہ ملے۔ فطرت کا یہ مطالبہ عقیدۂ آخرت ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔

۳- آخرت کا عقیدہ خدا کے عقیدے کی تکمیل ہے۔ اگر اس کائنات کا کوئی خدا ہے تو یقیناً بندوں کے ساتھ اس کے تعلق کو ظاہر ہونا چاہیے۔ ایک شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور دوسرا شخص اس کا منکر ہے۔ ایک شخص خدا سے بےخوفی اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے اور دوسرا اس کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ ایک شخص عیّاشی اور بدمستی میں زندگی گزارتا ہے اور دوسرا تقویٰ کی زندگی اختیار کرتا ہے، دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔ فطرت تقاضا کرتی ہے کہ خدا اپنی خدائی سے اچھے اور برے بندوں کے درمیان فرق و تمیز کرے۔ ۱۲ یہ تمیز و تفریق کامل طریقے سے آخرت ہی میں ممکن ہے۔

دین میں کوئی جبر نہیں

اسلام میں فطرت کی رعایت کا ایک بڑا مظہر اس کا وہ حکم بھی ہے جس کے

مطابق کسی شخص کو بہ زور دین میں داخل کرنے سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (البقرۃ:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ ہدایت کو ضلالت سے الگ چھانٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: ''کسی شخص کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ وہ اس قدر کھلا اور واضح ہے اور اس کے دلائل و براہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے''۔ ۱۳

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: ''کسی ذمی یا مستامن (جس کو اسلامی ریاست نے پناہ دی ہو) کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے بہ جبر اسلام قبول کرلیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا''۔ ۱۴

اسلام کے اس موقف کی وضاحت قرآن کی دیگر بہت سی آیات سے ہوتی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ۔ (یونس:۹۹)

اگر تیرے رب کی مشیّت ہوتی تو سارے زمین والے ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔

اسلام کا یہ حکم اس سیاق میں ہے کہ کوئی عقیدہ یا مذہب اختیار کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے اور اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو عقیدہ اور دین چاہے اختیار کرے۔ اگر کسی شخص کو کوئی مخصوص دین وعقیدہ ماننے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ اس کی آزادی کے خلاف ہوگا جس کا مطالبہ اس کی فطرت کرتی ہے۔ اسلام نے انسان کی اس طلب کو پوری طرح باقی رکھا ہے، اگرچہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سچا دین صرف اسلام ہے۔

عقل اور فطرت

انسان کو عقل کی وجہ سے دوسری مخلوقات پر فضیلت اور امتیاز حاصل ہے۔ وہ

غور وفکر، فہم و ذکاء، تخیّل و تامّل، قیاس و اجتہاد اور استنباط و استخراج کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اگر اس کی عقل پر پابندی لگادی جائے اور اس کو غور وفکر سے روک دیا جائے تو یہ عمل اس کی فطرت کو کچلنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے بجائے اسلام نے اس کو پروان چڑھانے کی ترغیب دی ہے اور عقل وفکر سے کام نہ لینے والے شخص کو چوپایہ سے تشبیہ دی ہے۔ گویا عقل و دماغ کو معطل رکھنے والا شخص اسلام کی نظر میں درجۂ انسانیت سے گر کر درجۂ حیوانیت میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لاَ يَعْقِلُونَ۔ (الانفال:۲۲)

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اَفَلاَ يَعْقِلُوْنَ (وہ کیوں نہیں غور وفکر کرتے) اَفَلاَ يَتَدَبَّرُوْنَ (وہ کیوں نہیں تدبر سے کام لیتے) لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (شاید کہ تم تفکر کرو) لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (غور وفکر کرنے والوں کے لیے) لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (عقل سے کام لینے والوں کے لیے) اُولِی الْاَبْصَارِ (دیدہ والے) اُولِی الْاَلْبَابِ (عقل والے) اُولِی النُّهٰى (عقل والے) جیسے الفاظ وتراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ ان کے ذریعے صریح طور پر غور وفکر اور تعقل و تدبر کی دعوت دی گئی ہے اور عقل سے کام نہ لینے کے رویے کی مذمت کی گئی ہے۔

قرآن میں عقائد کے اثبات کے لیے نقلی وشرعی دلائل-قرآن وحدیث) کے ساتھ عقلی دلائل بھی دیے گئے ہیں۔ ۱۵؎ نیز شریعت کے مصادر میں ایک مصدر قیاس اور استحسان یا مصالح مرسلہ بھی ہے جس کی بنیاد عقل پر ہے، اور اس سے دین کے بعض احکام مستنبط کیے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عقل کے استعمال کی ترغیب دی ہے اور بے عقلی کا رویہ اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

عبادت کے طریقے فطرت سے مطابقت رکھتے ہیں

اسلام میں عبادت کے کچھ طریقے بتائے گئے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

اور قربانی وغیرہ۔ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب فطرت کے عین مطابق ہیں۔عبادت کے معنیٰ کسی کے آگے اظہارِ تذلّل وتضرّع کے ہیں۔آدمی جب اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ، رکوع اور قیام کرتا ہے تو اس طرح درحقیقت وہ اپنی عاجزی و بے بسی کا اعتراف کرتا ہے۔ روزہ بھی عبادت کا ایک طریقہ ہے جس میں آدمی اللہ کی خوش نودی کے لیے جائز خواہشات، کھانے پینے اور جنسی تعلق سے محدود وقت کے لیے رک جاتا ہے۔ یہ طریقہ دنیا کی تمام اقوام میں معروف ہے۔ زکوٰۃ میں آدمی اپنا محبوب مال خرچ کر کے اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اسی طرح حج اور قربانی کی عبادات بھی انسانی تاریخ میں معروف رہی ہیں ۔ ہر مذہب میں کچھ مخصوص مقامات کی زیارت کی تعلیم ملتی ہے اس کا مقصد بھی معبود کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔غرض یہ کہ دنیا کی تمام اقوام اور مذاہب میں عبادت کے یہ طریقے رہے ہیں۔البتہ یہ عبادات خدائے واحد کے لیے نہیں رہیں، ان میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے۔اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے عبادت کو خدائے واحد کے لیے خاص کر دیا اور ہر طرح کے شرک سے اسے پاک کیا۔

اسلامی عبادات کے مطابقِ فطرت ہونے کی ایک دلیل ان کے مختلف جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی فوائد بھی ہے۔اس بارے میں مفصل گفتگو طوالت کا باعث ہوگی، مختصراً عرض ہے کہ جدید سائنسی تحقیقات نے اسلامی عبادات خصوصاً نماز اور روزے کے طبّی و سائنسی فوائد کو تسلیم کیا ہے۔ وضو، جو کہ نماز کی ابتدائی شرط ہے خود اس سے غیر معمولی طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور آج کے دور میں جب کہ فضائی آلودگی اور دل کے امراض میں کثرت سے اضافہ ہو رہا ہے، وضو کو ایک اکسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔نماز اور اللہ تعالیٰ کے آگے دن اور رات میں متعدد بار خضوع وخشوع کے اظہار سے جو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ نسخۂ کیمیا سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح روزے سے بھی بے شمار جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں، جن میں نظامِ ہضم کی درستی، دورانِ خون کی بہتری، خلیّات کی مرمت، اعصابی نظام کی اصلاح اور خون کی کمی کا علاج خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔[۱۶]

لباس اور فطرت

انسان دوسری مخلوقات سے اس اعتبار سے بھی ممتاز و منفرد ہے کہ وہ لباس استعمال کرتا ہے، جو اسے سردی گرمی سے بچاتا ہے اور یہ اس کی فطرت میں ودیعت شرم و حیا کا بھی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰبَنِی آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِی سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشاً وَّلِبَاسُ التَّقْوٰیٰ ذٰلِکَ خَیْر ذٰلِکَ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ۔ (الاعراف:۲۶)

اے اولاد آدم (انسان) ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ وہ تمھارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمھارے لیے جسم کی حفاظت و زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔

دنیا کی تمام مہذّب قومیں لباس استعمال کرتی ہیں۔ مرد اور عورت کی جسمانی ہیئت میں تخلیقی طور پر فرق ہے۔ عورت کو حسن کا پیکر اور مرد کے لیے سراپا کشش بنایا گیا ہے، اس لیے اس کے لباس میں بھی فرق ہے۔ اسے مرد سے زیادہ لباس استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ إِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوبِھِنَّ۔ (النور:۳۱)

اور (اے نبیؐ) مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔

بسا اوقات مذہب کی پیروی میں لباس کے ترک استعمال کو معبود کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ عہدِ جاہلیت میں اہل عرب عریاں ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف

کرتے تھے، یا جیسا کہ عہد حاضر میں بعض مذاہب کے رہ نما مثلاً جینی اور بعض سادھو عریانی کو قربتِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس رجحان کو غیر فطری قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰبَنِی آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ. قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِی اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔(الاعراف:۳۱-۳۲)

اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔(اے نبیؐ) ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کردیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کردیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معمولی کپڑے پہن کر حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

فاذا آتاک اللہ مالا فلیر اثر نعمة اللہ علیک و کرامتہ ۔[۱۷]

جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کی تکریم اور نعمتوں کا اثر (نشانی) تمھارے جسم پر نظر آنا چاہیے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو بکھرے ہوئے بالوں یا گندے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا: کیا تمھیں کنگھی یا صابن نہ ملا تھا کہ اپنے بال سنوار لیتے اور اپنے کپڑے دھو لیتے ؟!۔[۱۸]

حرام اشیاء فطرت سے میل نہیں کھاتیں

انسان غذا کے استعمال میں بھی دوسری مخلوقات سے ممتاز و منفرد ہے ۔ وہ پاکیزہ غذا استعمال کرتا ہے، جب کہ دوسری مخلوقات اس فرق و تمیز سے محروم ہیں ۔قرآن میں کئی مقامات پر اس انسانی شرف کا حوالہ دیا گیا ہے۔ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً۔ (الاسراء:۷۰)

ہم نے اولا دآ دم (انسان) کو بزرگی دی اورانھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اوران کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سے مخلوقات پر انھیں نمایاں فوقیت بخشی۔

انسان کی اس خصوصیت کا تقاضا ہے کہ وہ غیر پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ان تمام چیزوں کوحرام قرار دیا گیا ہے جن سے انسانی فطرت کونفور ہوتا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ وہ پاکیزہ چیزوں کوحلال اور گندی چیزوں (خبائث) کوحرام قرار دیں۔ارشاد باری ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ (الاعراف:۱۵۷)

اور وہ (نبیؐ) ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسی چیزوں کوحرام قرار دیا گیا ہے، جن سے انسانی فطرت ابا کرتی ہے۔ان میں خنزیر کا گوشت، خون اور مردار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ... الآية۔(المائدۃ:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت۔

اسی سورت میں آگے شراب کورجس (ناپاک) کہا گیا ہے۔ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔(المائدۃ:۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔

احادیث میں ممنوعات میں بعض اور چیزوں کا بھی اضافہ ملتا ہے۔ یہاں اس

کی تفصیل کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے شراب، خنزیر کے گوشت، مردار اور خون سے جسم انسانی کو جو نقصانات لاحق ہوتے ہیں وہ اب ڈھکے چھپے نہیں رہ گئے ہیں۔ جو لوگ انھیں استعمال کرتے ہیں وہ بھی ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ خنزیر کے گوشت سے ستر قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں [۱۹] اور شراب سے بیسیوں سنگین امراض لاحق ہوتے ہیں، جن میں کینسر خاص طور سے قابل ذکر ہے۔[۲۰] اسی طرح مردار اور خون کے استعمال سے بھی انسانی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

محرمات کے تعلق سے فطرت کی رعایت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حالتِ اضطرار میں وہی چیزیں حلال ہوجاتی ہیں جو عام حالات میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ کیوں کہ انسان اپنی زندگی سے انتہائی محبت کرتا ہے اور ہر حال میں اس کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے جب اس کی جان پر بن آئے تو اسلام نے محرمات کے استعمال کی اجازت دے کر اس کی فطرت کے مطالبہ کی تکمیل کی ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (البقرۃ:۱۷۳)

اللہ نے حرام کیا ہے تمھارے اوپر مردے کو خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس ذبیحہ کو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مفسّرین اور فقہاء نے اضطرار کی مختلف شکلیں بیان کی ہیں۔ کوئی شخص کسی کو محرمات کا استعمال کرنے پر مجبور کرے، بہ صورت دیگر اسے تکلیف پہنچائے، جان سے مارنے یا کوئی عضو تلف کردینے کی دھمکی دے، بھوک پیاس کی شدت ہو اور محرمات کے علاوہ کوئی چیز دستیاب نہ ہو، یا فقر ومحتاجگی پیش آجائے اور آدمی سوائے حرام اشیاء کے کوئی

دوسری چیز نہ پاسکے تو ان صورتوں میں حرام چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔ ۲۱؎ یہ حکم بھی فطرت کی عین ترجمانی کرتا ہے، کیوں کہ انسانی زندگی میں ایسی حالتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ اگر اسلام نے اس کی گنجائش نہ رکھی ہوتی تو یا تو لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے یا اسلام کو ترک کرنے پر مجبور ہوتے، جو ان کے لیے آخرت میں ہلاکت کا باعث ہوتا۔

محرمات سے نکاح فطرت سے مغایر ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے اور ان کے درمیان جنسی کشش رکھی ہے جس کے نتیجے میں ان کی نسل جاری رہتی ہے۔ اسلام نے جتنے اہتمام سے اور جتنا زور دے کر نکاح کی ترغیب دی ہے اور نوجوان مردوں اور عورتوں کو رشتۂ نکاح میں منسلک ہونے کی حوصلہ افزائی کی ہے اس سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک جنسی داعیہ کوئی قابل نفرت چیز نہیں، بلکہ محمود و مطلوب ہے، البتہ اس نے اسے نکاح کا پابند کیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے اس معاملہ میں انسان کی شرافت نفسی کا بھی پورا لحاظ کیا ہے۔ چنانچہ اس نے خونی اور قریبی رشتے داروں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۂ نساء (آیت:۲۳) میں ان عورتوں کی فہرست پیش کی گئی ہے، جن سے نکاح حرام ہے۔ وہ ہیں: ''مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، رضاعی مائیں، دودھ شریک بہنیں، بیویوں کی مائیں اور مدخولہ بیویوں کی زیر پرورش لڑکیاں، صلبی بیٹوں کی بیویاں۔ اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام کیا گیا ہے''۔ اس آیت میں جن رشتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے، تمام مہذب انسانی معاشروں میں ان کو تقدّس حاصل ہے اور ان سے نکاح کو درست نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام کا یہ حکم بھی فطرت کے عین مطابق ہے۔

محرمات سے نکاح کو حرام کرنے کے ساتھ زنا یعنی بغیر نکاح کے کسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَی إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلاً۔ (الاسراء:۳۲)	زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔

زنا کے خلاف فطرت ہونے کی وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم پسند کروگے کہ تمھاری ماں کے ساتھ زنا کیا جائے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں، آپؐ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اسے اپنی ماؤں کے ساتھ پسند نہیں کریں گے۔ پھر آپؐ نے ایک ایک کر کے بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا: کیا تم پسند کروگے کہ ان کے ساتھ زنا کیا جائے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں، آپؐ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی پسند نہیں کریں گے کہ ان کے ان رشتہ داروں کے ساتھ زنا کیا جائے۔[۲۲]

زنا انسانی غیرت کے خلاف ہونے کے ساتھ نسب کو بگاڑنے کا بھی باعث ہے، زنا سے پیدا ہونے والے بچے کو اپنی حقیقی باپ کی وراثت سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ زندگی بھر حرامی بچہ ہونے کے طعنے سننے پڑتے ہیں اور وہ معاشرے میں اپنا حقیقی مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر پاتا ہے۔

صفائی ستھرائی انسان کا فطری داعیہ ہے

اسلام کے دین فطرت ہونے کا ایک مظہر صفائی ستھرائی کے بارے میں اس کی تعلیمات ہیں۔ انسان فطری طور پر گندگی اور میل کچیل کو ناپسند اور صفائی ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ صفائی ستھرائی کے مختلف پہلو اور مواقع ہیں، جیسے گھروں، راستوں، کپڑوں اور جسموں کو پاک و صاف رکھنا، اسی طرح اعضائے ظاہری کو دھونا۔ انسانی جسم میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو صفائی ستھرائی کا تقاضا کرتی ہیں مثال کے طور پر دانت صاف کرنا، ناخن تراشنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا و رفع حاجت کے بعد استنجا کرنا، مونچھ کے بڑھے ہوئے بال کاٹنا، بغل اور زیر ناف بالوں کو صاف کرنا وغیرہ۔ اسلام میں ان امور کو خصال فطرت میں شمار کیا گیا ہے۔[۲۳] اور صفائی ستھرائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔[۲۴] اس معاملہ کو اسلام میں کتنی اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بہ خوبی کیا جاسکتا

ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ طیب یحب الطیب، نظیف یحب النظافة...، فنظفوا أفنیکم ولا تشبھوا بالیھود۔ ۲۵

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے۔ نظافت والا ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے...، لہٰذا تم اپنے گھروں کے صحن صاف ستھرا رکھو اور گندگی میں یہود کے مثل نہ بن جاؤ۔

مردوں کی تدفین کا فطری طریقہ

مختلف مذاہب میں مردوں کی آخری رسوم کے تعلق سے الگ الگ طریقے رائج ہیں۔ بعض میں انھیں دریا میں بہا دیا جاتا ہے، بعض میں آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ اسلام میں مُردوں کو غسل کرکے اور نئے کپڑے پہنا کر عزت وتوقیر کے ساتھ زیر زمین دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ طریقہ فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ آج جب کہ دنیا میں فضائی اور آبی آلودگی کا مسئلہ سنگین ہوتا جا رہا ہے، اس چیز کو کسی طرح بھی معقول نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں مزید اضافہ کے اسباب پیدا کیے جائیں۔ چاہے مردوں کو دریا میں بہا دیا جائے یا آگ میں جلایا جائے۔ دونوں طریقوں سے آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح تدفین کا طریقہ مردوں اور ان کے گھر والوں کے لیے بھی معقول معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ کسی میت کو جلتے ہوئے دیکھنا اس کے گھر والوں کے لیے انتہائی صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کی بے پردگی بھی (خاص طور پر اگر وہ عورت ہو) ایک اہم مسئلہ ہے جو جلانے کی صورت میں پیش آتا ہے۔ اسی طرح دریا میں بہانے کے بعد مردے کا جو حشر ہوتا ہے وہ کسی طرح گھر والوں کے لیے اطمینان کا باعث نہیں ہوسکتا، جب کہ تدفین کے طریقے میں یہ صورت حال پیش نہیں آتی۔ قرآن میں مذکور ہے کہ تدفین کا یہ طریقہ انسان کو ایک پرندے کے ذریعے سکھایا گیا تھا، اس میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، مگر اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔ قرآن کہتا ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَاباً يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ۔ (المائدۃ:۳۱)

پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔

اسلام میں مردے کو صرف زیرِ زمین دفن کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح غسل دو، نئے کپڑے (کفن) پہناؤ اور خوشبو لگاؤ، ۲۶ نیز تدفین سے پہلے اس کے لیے دعا کی جاتی ہے جس کو نمازِ جنازہ کہا جاتا ہے۔ تدفین میں میت کے تمام متعلقین عملاً حصہ لیتے ہیں اور اس کی قبر پر مٹی ڈالتے ہیں۔ اس کو کسی فرد کے آخری حقوق کہا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں فطرت کی ترجمانی کرتی ہیں۔

عدل وانصاف اور فطرت

انسان فطری طور پر اچھائی، خیر، صلاح اور عدل وانصاف کو پسند اور برائی، شر، فساد اور ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حساس، باشعور، امن پسند اور دنیا کو آباد و تعمیر کرنے والی مخلوق ہے، جب کہ شر، فساد اور ظلم و زیادتی سے اس کے شعور، امن وامان اور تعمیرِ دنیا کے رجحان کو نقصان لاحق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں کو خیر، صلاح اور عدل وانصاف کا حکم دیا ہے اور شر، فساد اور ظلم و زیادتی سے روکا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (النحل:۹۰)

اللہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم سبق لو۔

عدل وانصاف کے دائرے مختلف ہیں۔ ملک، شہر، معاشرہ، خاندان اور فرد کی نجی زندگی، ہر دائرے میں اسلام نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے، حتّٰی کہ وہ کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد سے محض قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے عدل و انصاف کے تقاضے کو پورا کرنے سے باز رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُونُواْ قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاء لِلّہِ وَلَوْ عَلَی أَنفُسِکُمْ أَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالأَقْرَبِیْنَ ۔ (النساء:۱۳۵)

اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودئ مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمھارے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ یا رشتہ دار عزیزوں کے۔

عدل وانصاف کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ ظلم کا ازالہ ہو۔ اسی لیے اسلام میں ظلم کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور اس سے دوٗر رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات صرف اس حد تک محدود نہیں ہیں کہ اس نے دوسروں پر ظلم کرنے سے روکا ہے، بلکہ وہ اپنے ماننے والوں کو اس کا بھی مکلّف کرتا ہے کہ اگر دنیا کے کسی حصے میں کسی انسانی گروہ پر ظلم وزیادتی ہو رہی ہو اور وہ از خود ازالۂ ظلم کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو ان کی مدد کی جائے اور ان پر ہونے والے ظلم کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ یہ اسلام کی ایک ایسی اعلیٰ تعلیم ہے کہ دوسرے مذاہب ونظریات میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا لَکُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِیْ سَبِیْلِ اللّہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ ھَـذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ أَھْلُھَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنکَ وَلِیّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنکَ نَصِیْراً۔ (النساء:۷۵)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کم زور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اسی بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی ومددگار پیدا کر دے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ان الناس اذا راؤ الظالم فلم یاخذوا علی یدہ او شک الیٰ یعمھم اللہ بعقاب منہ۔[۲۷]

لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کی سزا دے (یعنی وہ خود ظلم کا شکار ہو سکتے ہیں)۔

اسلام میں ازالۂ ظلم کے لیے بعض جرائم پر حدود وقصاص کی دفعات رکھی گئی

ہیں اور ان کے ثبوت کے لیے تمام عدالتی اصول وقوانین کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں ایک بہت ہی بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ کسی مجرم کی سزا دوسرے کو دی جائے گی۔ اگر کسی شخص کے گناہ اور جرم کی سزا کسی دوسرے فرد کو دی جاتی تو یہ فطرت کے خلاف ہوتا، جس کو انسانی طبیعتیں قبول نہیں کرتیں، کیوں کہ اس صورت میں بہت سے لوگ جرم کے ارتکاب میں اور جری ہو جاتے اور دوسرے لوگوں کو سزا دلواتے پھرتے۔

عام انسانی برادری سے تعلقات رکھنے کی اجازت ہے

انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس کی ضروریات ایک دوسرے سے معاونت کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ ہر شخص سماجی طور پر دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر اسلام اپنے ماننے والوں کو اختلاف مذہب کی وجہ سے عام انسانی برادری سے تعلقات قائم کرنے سے منع کر دیتا تو اس سے نہ صرف ان کے لیے مسائل پیدا ہوتے، بلکہ عام انسان برادری پر بھی اس کے غلط اثرات مرتب ہوتے، یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام مذاہب اور تمام اقوام سے یکساں طور پر تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوآ إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنۃ:۸)

اللہ تعالیٰ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی ہے اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دوسرے مذاہب والوں سے تعلقات کے مختلف پہلو ہیں۔ خاندانی تعلقات (ایک ہی خاندان کے اگر کچھ لوگ مسلمان ہوں اور کچھ لوگ دوسرے مذہب پر ہوں) معاشرتی تعلقات، سماجی تعلقات، ازدواجی تعلقات، کاروباری تعلقات، عام انسانی تعلقات اور بین الاقوامی تعلقات۔ ان میں سے ہر پہلو سے متعلق اسلام میں ہدایات

موجود ہیں۔ ایک دو استثنائی صورتیں ہیں، جیسے ازدواجی تعلقات کے سلسلہ میں کچھ تحفظات ہیں، لیکن ان کی بھی اپنی مصلحتیں ہیں، دیگر تمام صورتوں میں غیر مسلموں سے تعلقات قائم کیے جاسکتے ہیں۔[۲۸] اسلام کی یہ تعلیمات فطرت کی ترجمانی کرتی ہیں۔

بعض اسلامی احکام کے بارے میں اعتراضات پر ایک نظر

عصر حاضر میں اسلام کے بعض احکام کو تنقید و تعریض کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور انھیں خلافِ عقل باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسے قصاص و حدود، مردوں کو چار شادیاں کرنے کی اجازت، میراث، دیت اور شہادت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تفریق اور طلاق وغیرہ، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر ان احکام کی مصلحتوں و حکمتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو وہ عین قرین عقل معلوم ہوں گے۔ اس پہلو سے ان احکام کا تفصیلی مطالعہ طوالت کا باعث ہوگا۔ یہاں مختصراً وضاحت کی جارہی ہے۔

قصاص کے تعلق سے انسانی تاریخ اور نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اگر کسی شخص کا قتل ہوجائے تو اس کے وارثین ولواحقین میں انتقام کا جذبہ شدت سے ابھرتا ہے۔ اس جذبہ کی وجہ سے باہم قتل وخوں ریزی کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے، اسلام نے اس سلسلے کو محض ایک جان کے نقصان تک محدود کرکے انسان کے فطری جذبۂ انتقام کی تسکین کی ہے اور اس کو نتیجتاً 'حیات' سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِى الْأَلْبَابِ۔ (البقرۃ:۱۷۹)	عقل وخرد رکھنے والو، تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

مقتول کے وارثین کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ قاتل کو بھی بہ طور قصاص قتل کیے جانے کا مطالبہ کریں یا دیت لے کر اس کی جان بخش دیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اصل مقصد محض جذبۂ انتقام کی تسکین ہے۔ اسی طرح اسلام کے دیگر حدود و تعزیرات کا مقصد مجرموں کی زجر و توبیخ ہے۔ سزاؤں کے خوف سے ہی لوگ جرائم کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ اگر جرائم پر سزاؤں کا نفاذ بالکلیہ ختم کردیا جائے تو لوگوں کی

عزت وآبرو اور جان و مال خطرے میں پڑ جائیں گے۔

جہاں تک عورتوں اور مردوں کے درمیان میراث، دیت اور شہادت (گواہی) میں تفریق کی بات ہے تو یہ بھی مصلحت وحکمت پر مبنی ہے۔ چوں کہ عورتوں پر مالی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ مردوں پر عائد کی گئی ہیں، اس بنا پر عورتوں کی میراث اور دیت مردوں کی نصف یا اس سے کم متعین کی گئی ہے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو جذباتی اور عقل وفہم اور حفظ وتمییز میں مردوں سے کم تر بنایا ہے، لہٰذا ان کی گواہی مردوں کے نصف قرار دی گئی ہے۔ انھیں بالکلیہ ناقابل اعتبار نہیں قرار دیا گیا، کیوں کہ اگر ایسا کیا جاتا تو بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں۔[۲۹]

رہا طلاق کا مسئلہ تو فی زمانہ اس کو ایک بھیانک حکم کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، حالانکہ اس کی متعدد مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔ نکاح کے بعد دو اجنبی مرد وعورت کے مزاج میں توافق وتطابق پیدا ہونا قدرت کا عطیہ ہے، مگر بعض اوقات میاں بیوی میں بہ وجوہ ہم آہنگی پیدا نہیں ہو پاتی اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کا ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کر لینا قرین مصلحت ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں کہ وہ گھٹ گھٹ کر زندگی گذاریں۔ اس کا مشاہدہ ان معاشروں میں بہ خوبی کیا جاسکتا ہے جہاں طلاق کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں یا تو ایسی عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے یا پھر ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

انسان بقدرِ طاقت احکام کا مکلّف ہے

اسلام میں پوری زندگی سے متعلق احکام دیے گئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق احکام پر عمل کا مکلّف ہے۔ اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کرتا، جو نیکی کرے وہ اس کے لیے ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے کئی فرض احکام میں مطلوب نصاب کی شرط ہے، جیسے زکوٰۃ اور حج۔ اسی طرح روزہ میں بعض حالات میں تخفیف کی گئی ہے۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے، مگر مرض یا سفر میں یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلام کے بعض احکام فرض کفایہ کے ذیل میں آتے ہیں، جیسے جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ۔ اسی طرح بعض احکام کے مخاطب اربابِ حکومت اقتدار یا قاضی وغیرہ ہوتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیمات بھی فطرت کی ترجمانی کرتی ہیں، اس لیے کہ اگر یک بارگی اور انسان کی طاقت سے زیادہ احکام نافذ کردیے جاتے ہیں تو وہ ان کی تعمیل سے عاجز رہتا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کی جملہ تعلیمات انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ انسانوں کی بھلائی انھیں اختیار کرنے میں ہے۔ جو لوگ محض ہٹ دھرمی اور ضد کی بنیاد پر ان سے اعراض کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی فطرت سے جنگ کرتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ درء تعارض العقل والنقل، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، تحقیق الدکتور محمد رشاد سالم، مکتبۃ ابن تیمیہ، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، ریاض، ۳۷۲/۸

۲۔ لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار صادر بیروت ۱۹۵۵ء، ۵/ ۵۶

۲۔الف درء تعارض العقل والنقل، ۳۷۲/۸

۳۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بولاق، ۱۳۲۸ھ، طبع اول، ۲۱/ ۲۶-۲۷، نیز دیکھیے درء تعارض العقل والنقل، ۳۶۸/۸

۴۔ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۸۵ وغیرہ

۵۔ ابوسلیمان الخطابی، اعلام الحدیث، تحقیق: الدکتور محمد بن سعید آل سعود، مرکز احیاء

التراث الاسلامی، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۸ء، ۱/ ۱۶۷

۶۔ مسند احمد، ۳/ ۴۰۶، ۵/ ۱۲۳

۷۔ درء تعارض العقل والنقل، ۸/ ۳۸۲، ۳۸۳

۸۔ حوالہ سابق، ۸/ ۴۶۰، ۴۶۴

۹۔ خدا اور رسول کا تصور- اسلامی تعلیمات میں، سید جلال الدین عمری، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۶۴ - ۲۶۵

۱۰۔ مزید ملاحظہ کیجیے الانعام: ۴۰-۴۱، ۶۳-۶۴، یونس: ۲۲-۲۳، الاسراء: ۶۷

۱۱۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، ۱۰۸

۱۲۔ ملاحظہ کیجیے علم جدید کا چیلنج، مولانا وحیدالدین خاں، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی، ص ۸۹-۱۱۷ (بحث 'دلیل آخرت' بہ تلخیص)

۱۳۔ تفسیر القرآن العظیم، الحافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، قطر، ۱۴۲۸ھ، ۱/ ۳۵۳

۱۴۔ المغنی، ابن قدامہ المقدسی، کتاب المرتد، فصل اکراہ الذمی اوالمستامن، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ الریاض، ۸/ ۱۴۴

۱۵۔ ملاحظہ کیجیے الادلۃ العقلیۃ والنقلیۃ علی اصول الاعتقاد، سعود بن عبدالعزیز محمد العریفی، دار عالم الفوائد، مکۃ مکرمۃ، ۱۴۱۹ھ

۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'، ڈاکٹر ہلوک نور باقی (ترکی)، مترجم سید محمد فیروز شاہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، وضو کے تعلق سے ص ۹۷، روزہ کے تعلق سے ص ۹۸ اور نماز کے تعلق سے ص ۱۶۲

۱۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، ۴۰۶۳

۱۸۔ سنن ابی داؤد، حوالہ سابق، ۴۰۶۲

۱۹۔ غلط فہمیوں کا ازالہ، ڈاکٹر ذاکر نائک، مدھر سندیش سنگم نئی دہلی، ص ۴۷ - ۴۵، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، ص ۲۸۹ - ۲۹۵

۲۰ حوالہ سابق، ۴۸-۵۴، قرآنی آیات وسائنسی حقائق، ص ۱۲۷-۱۳۵
۲۱ احکام القرآن، قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ، ۱/ ۲۴،
احکام القرآن، ابوبکر الجصاص الرازی، المطبعۃ البہیۃ مصر ۱۳۴۷ھ، ۱/ ۱۵۰
۲۲ مسند احمد بن حنبل، ۵/ ۲۵۶-۲۵۷
۲۳ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ۲۶۱
۲۴ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء، ۵۳۴
۲۵ جامع الترمذی، ابواب الآداب، باب ماجاء فی النظافۃ، ۲۷۹۹
۲۶ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت، ۱۲۵۳
۲۷ جامع الترمذی، ابوعیسی الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر، ۱۲۶۸
۲۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'، مولانا سید جلال الدین عمری، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
۲۹ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن القیم الجوزیۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ۲/ ۱۱۱-۱۱۲

کمزور اور مظلوم اسلام کے سایے میں

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں انسانی حقوق کے سلسلے میں اسلام کے امتیازات کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت میں کمزور کی، کن کن پہلوؤں سے رعایت کی گئی ہے؟ اور اس کے مسائل کس طرح حل کیے گئے ہیں؟ ظلم سے اس کی حفاظت کے لیے کیا کیا اقدامات کیے گئے ہیں؟ اور مظلوم کے کیا کیا حقوق بیان کیے گئے ہیں؟ آخر میں یہ اہم بحث بھی ہے کہ اسلام نے مظلوم کے لیے انتقام کا حق تسلیم کیا ہے، لیکن اسے شرعی حدود کا پابند بنایا ہے۔

قرآن وسنت کے محکم دلائل کی روشنی میں، فقہائے کرام کی آراء کا تجزیہ کرتے ہوئے اور اسلامی تاریخ کے حوالوں کے ساتھ عصری اہمیت کے حامل اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی انداز میں مبسوط گفتگو کی گئی ہے۔ ایسی کتاب جوان شاءاللہ ہزاروں انسانوں کی سوچ اور فکر میں انقلاب کا ذریعہ بنے گی۔

صفحات: ۱۱۶، قیمت عام ایڈیشن: -/۳۵ روپے۔ خاص ایڈیشن: -/۵۰ روپے

ملنے کے پتے: ۱- مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵